PROF. AHMAD RAFIQ AKHTAR'S LECTURES
WWW.ALAMAAT.COM

سورہ فاتحہ کا قرآنی پس منظر

سورۃ فاتحہ کے بہت سارے نام ہیں۔اس کا سب سے معقول ومشہور نام سبع مثانی ہے۔حضورؐ نے اس پر تفاخر کا اظہار کیا کہ مجھے اللہ نے سبع مثانی عطا فرمائی۔اُم الکتاب کا مطلب ہے کہ اگر خلاصہ کتاب لیا جائے اور پورے قرآن حکیم کے مقاصد کو سمجھا جائے، سوچا جائے، تو وہ سورہ فاتحہ سے بیرون نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب ہم کسی مضمون کا خلاصہ تیار کرتے ہیں تو قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ ہے۔اس سے متعلق جو ایک واحد کسی ذہن میں اضطراب پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کتاب کا حصہ ہے کہ نہیں ہے؟ بظاہر یہ دعا ہے مگر دعا سے بڑھ کر یہ ایک ذہنی اپروچ ہے۔سورہ فاتحہ سیکھنے کی اپروچ کو واضح کرتی ہے۔

اب اس میں بڑا عجیب سا سوال یہ ہے کہ سورہ فاتحہ ختم ہوتی ہے تو پہلی آیت شک وشبہہ سے شروع ہوتی ہے "الم ذلک الکتاب لاریب فیہ" (البقرۃ:۱-۲) سوال یہ ہے کہ کیا سورۃ فاتحہ پڑھنے والا اس دوسری آیت پر آ سکتا ہے جس سے کہ اہم مغز قرآن شروع ہو رہا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے والا پھر قرآن کو شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھے۔یا یہ کنفرم کرے کہ "الم ذلک الکتاب لاریب فیہ" تو اللہ کا بظاہر طریقہ کار نظر نہیں آتا کہ وہ بزور لوگوں سے توثیق حاصل کرے۔صاف بات ہے کہ اس پہلی آیت کا مطلب یہ نہیں بنے گا کہ آپ بلا شک وشبہہ اس کتاب پر یقین کریں بلکہ یہ بنے گا کہ آپ کے دل اور دماغ میں اگر کوئی شک ہے تو وہ اس کو نکال دیں۔اس بیان میں اتنا یقین ہے۔

اب جو واحد تضاد خیال آتا ہے کہ فاتحہ پڑھنے والا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں شک وشبہہ ہے کہ نہیں؟ اب اگر زمانہ عصر کے تمام فلاسفہ کو دیکھا جائے تو ایک عجیب سا ہمیں نقشہ نظر آتا ہے۔وہ لوگ جنہوں نے خدا کے خلاف سو فیصد باتیں کی ہیں یا خدا کو تسلیم نہ کرنے کی باتیں کی ہیں، انہوں نے خدا کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔اگر میرے پاس ایک ذریعہ ہو۔میں اس پر غور کر رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ خدا کو جاننے کے لیے مجھے کون سا ڈیٹا ضروری ہے؟ اصولاً بطور طالبعلم مجھے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔مجھے سوچنا پڑے گا کہ مذہب جو دعویٰ کر رہا ہے کہ میں خدا کا رستہ ہوں اور میں انسان کے شعور میں خدائی اجاگر کرتا ہوں تو کم سے کم ہمیں تمام مذاہب عالم کا اول وآخر مطالعہ کرنا ہوگا۔ Over All مذہب کے ساتھ مطابقت اس کی نہیں بنتی کیونکہ کوئی بھی عقل مند آدمی ایک چانس اسلام کو ضرور دے گا۔یہ جو تکمیل مذاہب کا دعویٰ قرآن اور مذہب اسلام کر رہا ہے۔ایک نیچرل سٹوڈنٹ کو یہ ہوگا۔چاہے وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو کہ وہ مذہب کے مزید مطالعے سے نہیں رکے گا۔

اسی طرح جو یہودی ہے، جب وہ اپنے آپ کو توریت، تالمود اور اپنے علوم پر اپنے آپ کو بلاک کرتا ہے اور وہ

نہ انجیل نہ قرآن کو مانتا ہے۔ اپنے مذہبی مالج پر قائم ہے۔ اکیڈیمک کی سطح پر انہیں ان چیزوں کا پتا نہیں جو اس کو شارٹ آف نفارمیشن ثابت کرتی ہیں۔ دوسری طرف آپ سائنسدان کو لیجیے۔ بڑے بڑے قابل سائنسدان، جو اعلیٰ ترین سائنسی تحقیقات کرتے ہیں۔ ان سے ایک سوال پوچھنے والا ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے 30, 35, 40 برس ایک سائنٹفک موضوع کی ریسرچ پر لگا دیے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ کیا کہ شروع سے اسی انسٹرومنٹ سے آگاہی پائی۔ ایف ایس سی، بی ایس سی، ایم ایس سی، جو آپ کو مزید کسی بڑی تحقیق میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں لیکن جب آپ مذہب کے بارے میں ایک رائے دیتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ آپ نے وہی 40,35 سال نہ سہی' کوئی سائنسدان یہ تصدیق کر سکتا ہے کہ اس نے 20,15 سال ہی اسی دقیق نظری اور اسی تردد سے مذاہب کے مطالعہ میں گزارے؟ کیا اسی نظر، پیٹرن اور اسی معروضی معیار اور تجزیاتی تعقل سے اس نے مذہب کا مطالعہ کیا؟ پتا لگتا ہے کہ نہیں کیا؟

سائنسدانوں میں دو عمومی خوف پائے جاتے ہیں۔ یہ امر محال سمجھا جاتا ہے کہ مذہب سائنٹفک معروضیت پر پورا اترے گا۔ بھلا کیوں نہ اترے گا؟ اگر آپ پہلے سے متردد اور خوفزدہ ہیں کہ مذہب گھڑا گھڑایا عقیدہ ہے۔ محض کہانی، روایت اور اساطیر الاولین ہے۔ پھر کیسے آپ مذہب کو معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے؟ اور آپ کیسے مذہب کے بارے میں مہربان ہوں گے؟

میں ایک آزاد منش انسان کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ میری تمام تر آزادی میں مذہب حائل ہے اور مذہب سائنسی و معروضی معیار پر پورا ہی نہیں اترتا تو مجھے اس پر کیونکر یقین کر لینا چاہیے؟ میں نے دیکھا کہ سائنسدان جب مذہب کی طرف آتا ہے، تو وہ غیر منصفانہ اعتراض کرتا ہے اور غیر منصفانہ تسلیم کرتا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو معروضی گردانتے ہوئے اور مذہب کو اس معروضیت کے معیار سے ماورا سمجھتے ہوئے اس کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ وہ مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے یا مذہب کو تسلیم کرے لیکن مذہب کو ماننے کے لیے اسے اندھا عقیدہ کھڑا کرنا پڑتا ہے جبکہ عرصہ دراز سے زمانے نے یہ دیکھا ہے کہ مذہب کے لیے اندھے عقیدے سے زیادہ خطرناک شے کوئی نہیں۔ وہ جو صاحب مذہب ہے' وہ عقل و شعور کو دعوتیں دیتا ہوتا ہے اور صاحبان عقل و شعور اندھا دھند اعتقاد کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ فلاسفر اور سائنسدان دونوں مذہب کے تصور کے ساتھ مناسب انصاف نہیں کر سکے۔

اب مذہب کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ مذہب کی طرف سے رسم و رواج یا جو عبادتی رسوم ہیں' وہ اہم ہیں۔ بدقسمتی سے آج کے زمانے میں مذہب کو ان تمام Occults کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جو زمانے نے اپنی جہالتوں کی وجہ سے مذہب سے فرار حاصل کرتے ہوئے پیدا کیے تھے۔ یہ کتنی مذہب کی توہین ہے کہ جس چیز کو مذہب پوری طرح مسترد کرتا ہے اور جس چیز کے خلاف مذہب زمانے میں آیا ہے' آپ اسی چیز کو مذہب قرار دیتے ہیں۔ یہی تضاد آج کل کے زمانے میں روحانیت اور تصوف میں ہے۔

تصوف جو انسان کے خدا کے ساتھ تعلق کا خصوصی علم ہے' اس کو انہوں نے عجیب و غریب حیرت افزا واقعات کا مجموعہ بنا کر اور اس کو روحانیت کا نام دے کر ان دونوں کو ایک کر دیا اور یہ داستان چھوڑ دی کہ ہر مذہب میں روحانیت ہو سکتی ہے، ہر مذہب میں تصوف ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے ہے تو دوران زمانہ یا 100 سال سے سسکتی' لاچار اور بے آسرا انسانیت کو

کہیں سے کوئی ایسے پائے کا صوفی کیوں نہیں ملا جس نے اس کی کائنات سنوار دی ہوتی۔ اس کے رستے استوار کر دیے ہوتے۔ اس کی حقیقتیں درست کر دی ہوتیں۔ اس کے برعکس ہم نے دیکھا کہ انسان جب تکمیل عقل پر پہنچا یا یوں کہیے، جب عقل اپنی بے پناہ میچورٹی کے فشار پر پہنچی، تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ عقل زیادہ Occultist ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف تو اس نے تحقیق اور جستجو میں کئی بار ذرے ذرے کا جگر چیرا مگر یہ چشم حیراں ہے کہ جس کی حیرانی نہیں جاتی۔

دوسری طرف وہ مذہب کو اپنی زندگی میں محض اس لیے رسم ورواج کے طور پر قائم رکھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی ذات کے خوف کا سامنا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے سائنٹفک ٹمپر ہونے کے باوجود اپنی بنیاد کے مسائل کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ مذہب کو اپنے دل اور دماغ کی داخلی کمزوریوں کی خصوصی فلاسفی کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس صورت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کو ماننے کے دو رستے ہیں۔ اس میں پہلا رستہ یہ ہے کہ خدا کو مان کر اسے چیک کیا جائے اور ایک رستہ یہ ہے کہ خدا کو نہ مان کر خدا کے اعتبار تک آیا جائے۔ لہٰذا میں کہوں گا کہ چونکہ قرآن عامی اور خصوصی سب کے لیے ہے، تو وہاں جو اصول تعلیم ہیں، وہ تسلیم کے بعد شک وشبہہ کی گنجائش چھوڑتے ہیں مگر جو ایک خاص یا کوئی فرد ہوگا، جیسے ابراہیم تھے، وہ جب اعتبارات شروع کریں گے تو وہ انکار سے اقرار کو آئیں گے۔ تمام اعلیٰ پڑھا لکھا ذہن انکار سے اقرار کو آتا ہے اور یا پہلے سے تسلیم کردہ عقیدے کی نفی کرتا ہے۔ عمومی ذہن اتنا پیچیدہ نہیں ہوتا یا عمومی زندگی میں اس کے پاس اتنا وقت اور اتنا مطالعہ نہیں ہوتا۔ اتنی تعقل اور سوں سوں کرتی علم کے لیے بے چینی نہیں ہوتی۔ اس لیے خدا نے اسے ایک اپروچ دی ہے کہ مجھے مانے اور مجھے آزمائے۔ میرا انکار کرے اور مجھے ڈھونڈے۔ یہ دونوں رویے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

سو الحمد بنیادی اپروچ بنتی ہے اور بنیادی اپروچ میں بھی پہلا کلمہ جیسے "الحمد لله رب العالمين" (الفاتحہ: آیت ۱) ہے۔ اس لحاظ سے بڑا ہی اہم ہے کہ یہ تمام انانیت انسان کا توڑ ہے۔ اگر آج کے زمانے میں بہترین انسان بھی اپنی زندگی کا خود وارث ہو جیسے میں اپنا رزق خود کماتا ہوں تو خدا اسے اس پہلی آیت میں ہی بتاتا ہے کہ ربوبیت ایک جنس کو محیط نہیں ہے۔ تو غلطی کرتا ہے، جب اپنے رزق کا اپنے آپ کو وارث قرار دیتا ہے۔ اردگرد کی کائنات دیکھ کر یہ نہیں سوچتا کہ باقی کا رزق کون دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نہیں دیتے۔ اگر انسان باقی اشیا کو رزق مہیا نہیں کرتا، تو ایک عمومی سوچ یہ بھی سوچنے پر قادر ہے کہ یہ جو اتنی بڑی کائنات ہے، اس میں جامدات ہیں۔ متحرک اشیا اور جاندار ہیں اور بے جان بھی ہیں۔ ہر چیز کا متعلقہ رزق ہے۔ اگر انسان کا رزق اس کے معدے سے منسلک ہے، تو فرشتہ تو نہیں کھاتا۔ فرشتے کا کچھ اور رزق ہوگا۔ جن کا رزق اگر گوبر اور ہڈی ہے، تو وہ انسان کا رزق تو نہیں ہے۔ ان سے بھی بالا آپ اٹھیں، تو سورج کا رزق اٹھارہ ہزار ایٹم ہیں، جو ایک ٹائیے میں وہاں پھٹتے ہیں۔ اس کو حرارت دیتے ہیں اور اس کی پرت سے حرارت ہوتی ہے۔ زمین پر زندگی اور نشوونما کا باعث بنتی ہے۔ سورج کا رزق کون مہیا کر رہا ہے؟

پھر اس چاند کو دیکھیے جو ایک بجھے ہوئے چراغ کے علاوہ کچھ نہیں۔ جو اندھیرے اور تاریک غاروں پر مشتمل ایک اندھا سیارہ ہے مگر جس کے ریگزار اتنے چمکتے ہیں کہ وہ سورج کی روشنی لے کے پوری کائنات کو منور کرتے ہیں۔ اس بھوکے ننگے فقیر کا رزق سورج کی پڑتی ہوئی قرمزی شعاعوں میں ہے جسے منعکس کر کے وہ دنیا کو خوبصورتی، چاندنی اور

حسن دیتا ہے۔فرض کیجیے،موت کا رزق زندگی ہو،تو کبھی کبھی موت کا یہ تو حق ہے کہ پیٹ بھر کے کھائے۔ساری عمر ایک آدمی ادھر اور کبھی ادھر سے اٹھانے کے بجائے کبھی اس کے لیے یہ گنجائش نکلنی چاہیے کہ ہزاروں آدمی بھی اکٹھے کھالے۔ زندگی اور تمام کائنات کسی نہ کسی رزق پر قائم ہے۔

جہاں وسیلہ ہے،وہاں رزق ہے اور وسائل اس کے رزق کو متعین کرتے ہیں۔اس لیے رزق کی ایک متعین اور محدود تعریف اللہ کو پسند نہیں ہے۔وہ کائنات میں رب اللعالمین ہے۔عالمین کتنے ہیں؟ان کی جہتیں کتنی ہیں؟ان کی ابعاد کتنی ہیں؟اس کا فروغ کتنا ہے؟ان کی تنگیاں کیا ہیں؟فراخیاں کیا ہیں؟یہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔کسی چیز کا رزق حرکت ہوتی ہے اور کسی چیز کا جمود ہوتا ہے۔کسی چیز کا رزق ہوا،تو کسی کا آگ ہے۔اللہ نے ہر چیز کو اس کا مناسب رزق عطا فرمایا ہوا ہے۔ربوبیت واحد ایک ایسی کوالٹی ہے،جس کو خداوند کریم بغیر کسی تعصب کے اشو کرتا ہے۔یہ وہ کوالٹی ہے جو کافر کا بھی حق سمجھا جاتا ہے اور مومن کا بھی حق سمجھا جاتا ہے۔بکری کا سمجھا جاتا ہے،تو بھیڑ کا اور بھینس کا بھی سمجھا جاتا ہے۔اس معاملے میں پروردگار عالم اکیلا ہے۔ربوبیت میں وہ منسلک نہیں ہے۔ربوبیت میں وہ بالکل یقینی ہے۔اس یقینیت میں کسی قسم کی کوئی شرط نہیں ہے۔کسی قسم کی عبادت یا تعلق کا مطالبہ نہیں۔توجہ کی طلب نہیں ہے۔خدا ربوبیت میں تنہا،اکیلا،لاتعلق اور بے نیاز ہے۔اس لیے کہ یہ کام وہ بغیر کسی غرض کے کرتا ہے۔بغیر کسی مطلب انتقامی حس،کسی بدلے اور بغیر کسی جنت اور جہنم کے کرتا ہے۔وہ اس کوالٹی کو سب سے منفرد اور ممتاز سمجھتا ہے اور قرآن شروع کرنے میں سب سے پہلے اس نے جس کوالٹی کا ذکر کیا ہے،وہ رب العالمین ہے۔جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست کو رزق دیتا ہے، تو اپنے دشمن کو بھی دیتا ہے۔غیر فکرمند اور فکرمند دونوں کو دیتا ہے،تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہوسکتا ہے الحمد اللہ رب العالمین۔

اب آپ دیکھتے ہیں کہ آگے " الرحمن الرحیم "ہے۔ "مالک یوم الدین" ہے۔یہ اس کے رحمان اور رحیم میں کسی قسم کے تعصبات نہیں ہیں "وکتب علی نفسہ رحمۃ" دنیا اور جہاں کی تخلیقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے اپنے اوپر لازم قرار دے دیا کہ ہم ان پر ضرور رحم فرمائیں گے۔اس رحم میں ہر چیز شریک ہے۔ خدا وہ ہے کہ جو بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قیامت کے دن انصاف دلائے گا۔رحمن اور رحیم میں انصاف ہے۔خدا اپنے اوپر بھی انصاف لاگو کرتا ہے۔اس کی مہربانی،مروت اور کریمی انتہا درجے کے رحم پر مشتمل ہے۔اسی لیے ان دونوں لفظوں کو علیحدہ کر کے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ خدا "رحمن الدنیا و رحیم الاخرۃ" ہے۔دنیا میں وہ رحمن ہے۔دنیا سے گزر جانے کے بعد اس کی مخلوق کو اس کے زیادہ رحم کی ضرورت پڑے گی،تو مبالغے کا کلمہ رحیم ہے۔آخرت میں بلاشبہہ اللہ اپنے کرم اور اپنی نوازش سے ایسے لوگوں کو بھی معاف کرے گا،جن کو اپنی بخشش کا کوئی یقین نہیں ہے۔اگر رحمن الدنیا ایک عنصر ہے،تو اس کا سوگنا رحیم الاخرت ہے۔جو شخص اللہ کے بارے میں یہ گمان رکھے کہ وہ ظالم یا سخت ہے،اس کو چاہیے کہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھے اور یہ دیکھے کہ اللہ نے قرآن شروع کیا اور اپنے بارے میں تفکر کا عندیہ دیا تو سب سے پہلے یہ کہا میں تمہاری ربوبیت میں کسی قسم کے تعصبات سے کام نہیں لیتا۔

دوسرا یہ کہا میں ہر حال میں تم پر رحم کرنے والا ہوں۔اس کے بعد کسی بندے کے لیے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ

وہ تھامس ہارڈی کی طرح یہ کہے کہ

We are like flies in the hands of God and he kills us for his support.

ہم خدا کے ہاتھوں میں مکھیوں کی مانند ہیں اور ہمیں اپنے شغل کے لیے مارتا رہتا ہے۔ وہ تو تخلیق ہی ہمیں رحم وکرم کے لیے کر رہا ہے۔ اسے ہمیں اپنے شغل میلے کے لیے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ انسان کی پرکھ اللہ پر ناقص ہے۔ اللہ جو اپنے آپ کو بیان کرتا ہے، وہ صحیح کرتا ہے۔ وہی سچا ہے اور سچائی اسی کے نام سے زندگی اور وجود پاتی ہے۔ ہم تک جتنے سچائی کے تصورات ہیں، یہ ہمارے نہیں ہیں بلکہ ان اقدار سے مرتب ہیں جو اللہ نے سچائی کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔

یہ بات یاد رکھیے گا کہ تمام اقدار اقدار نہ ہوتیں، اگر خدا ان کے ساتھ خصوصیات منسوب نہ کرتا۔ یہ جو میں سچ کو سچ مانتا ہوں۔ اخلاق کو اخلاق اور کرم کو کرم گردانتا ہوں اور رحم کو رحم تسلیم کرتا ہوں تو یہ کس کے طفیل اور بخشے ہوئے تصور کے تحت ہے؟ دور حاضر تو یہ ہے کہ اگر آپ چند لوگوں کو بھی بیماریوں سے، کینسر سے نجات چاہیے تو کہتے ہیں کہ ان کو گولی مار دو، قتل کر دو۔ ظاہر ہے، قابل علاج جو نہیں ہیں۔ اگر انسان پر رحم وکرم کے عناصر چھوڑ دیے جاتے تو انسان کی اپنی توجیہات بہت ہی مختلف ہوتیں جو ہمارے پاس کانسپٹ ہیں۔ جنہیں ہم دائمی اقدار کہتے ہیں۔ Cosmic اور انٹرنیشنل ویلیوز کہتے ہیں، یہ ساری کی ساری مذہب سے جاری ہوئی ہیں۔

آگے ہے مالک یوم الدین، دین کہتے ہیں، پورا پورا دینا۔ پورا پورا دینے میں انصاف ہوتا ہے۔ ایک وہ ہوتا ہے کہ خدا اپنی طرف سے کیا ڈالتا ہے یعنی انصاف تو پورا پورا ہوگا۔ ایک ایک لمحے ایک ایک وقت ایک ایک گھڑی اور ایک ایک فعل کا۔ دین سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہاری کوئی خوبی جو زمین کی تہوں میں چھپی ہوئی ہے، اس دن اللہ تعالیٰ تمہیں نکال کے دے گا اور دکھائے گا کہ تمہارے تصور کی کوئی نیکی بھی میں نے ضائع نہیں کی۔ اسی لیے فرمایا "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" (الزلزال: آیت ۷-۸) کہ ذرہ ذرہ تمہارے خیر کا جمع کرتا ہوں اور ذرہ ذرہ تمہارے شر کا جمع کرتا ہوں چنانچہ بنی نوع انسان کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔

انسان اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ تمام دنیا میں ہر آدمی خدا سے جو انکار کر رہا ہے لامحالہ اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ اس کو یہ حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میری قسمت اور میرے نصیب میں لکھا تھا۔ اس سے پوچھیں، جب تو اللہ کو مانتا ہی نہیں۔ اگر اللہ کو مانتا ہوتا تو پھر جواز اس بات کا رہتا کہ میں تو تجھے مانتا ہوں، تو نے میرا نصیب ہی ایسا لکھا ہے مگر جو یہ مانتا ہی نہیں ہے کہ اللہ نے اس کا نصیب لکھا ہے، اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھ دیا ہے؟ ایک سیکولر کا کیا حق ہے، جو خدا کو ایک زوال پذیر قدر، قصۂ پارینہ اور صحرا میں بیٹھے مسافروں کی گپ شپ سمجھتا ہے۔ اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھا ہے؟

یہ اس کا حق تو بنتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی کا ہر لمحہ خدا نے بنایا ہے جو اپنی موت وحیات کا مالک اپنے پروردگار کو سمجھتا ہے۔ وہ اگر کہے کہ اللہ تو نے میرے مقدر میں خرابی لکھی یا اچھائی لکھ دی ہے تو اس کا حق بنتا ہے مگر کسی نہ ماننے والے احمق سیکولر کا حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں کیا لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارے لوگوں کے ساتھ صرف بحث کے لیے یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔ جبر وقدر کی تمام بحثیں اسی لیے ناقص ہیں کہ بالعموم یہ

باتیں وہ زیر بحث لاتے ہیں' جو خدا میں یقین اور اعتماد نہیں رکھتے اور دوسروں کو کنفیوز کرنے کے لیے یہ بحث کرتے ہیں۔

اب اللہ نے فرمایا ایاک نعبد و ایاک نستعین اگر کوئی خدا کو مانتا ہے تو اس کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ یہی اصلی عقیدہ ہے۔ اگر اتنا بڑا مددگار کائنات کا آپ کے پاس موجود ہے۔ اتنا مہربان موجود ہے۔ یعنی رب رحمٰن ورحیم اور حساب والا وہ ہے اور آپ کسی اور سے مدد مانگو تو اس سے بڑی نادانی کوئی ہو سکتی ہے؟ جو اپنے معاشرے کو دیکھے تو آپ کو پتا لگے گا کہ الحمد سے انحراف کتنا عام ہے۔ اس اپروچ سے انحراف اس قدر ہے کہ آدمی ذرا ذرا سی بات پر کہتا ہے کہ تعویز نے میرا یہ بند کر دیا۔ تعویز نے میرا وہ بند کر دیا۔ تعویز نے میرا سانس بند کر دیا۔ یہ تعویز میری موت کے لیے ہے۔ یہ میری زندگی کے لیے ہے۔ جادو ہو رہے ہیں۔ سحر ہو رہے ہیں۔ عامل بیٹھے ہوئے ہیں یعنی وہ طلسم ہوشربا میں خواجہ عمر وعیار کے پہنچنے سے پہلے ساری کی ساری نگری افراسیاب جادوگر کے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہے۔ یہ کوئی مذاق ہے؟ آپ خدا میں کیا اور کس حد تک یقین رکھتے ہیں؟ آپ کو پتا ہی نہیں اللہ میاں کیا الحمد میں کہہ رہا ہے کہ ربوبیت میری ہے۔ رحمت میری ہے۔ انصاف میرا ہے۔

ان تین قدروں سے نکل کر جب ان کا مالک کسی اور کو سمجھ لیتے ہیں۔ جب اپنا رزق بند کرنے اور کشادہ کرنے والا انسان بنا لیتے ہیں حالات وواقعات کو ایسا قرار دیتے ہیں یا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رحمت وکرم آپ کو لوگوں سے نصیب ہو گی اور خوشامد اور لوگوں کی صفت پذیری میں آپ زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح جب آپ انصاف کے لیے کسی غیر مخلوق اور غیر خدا سے رجوع کرتے ہیں تو پھر آپ کا اعتقاد شروع ہی سے ناقص ہو جاتا ہے اور آپ خدا میں ایمان نہیں رکھتے۔

اھدنا الصراط المستقیم یہ آیت دیکھیے۔ تمام وساوس اور خطرات اور تمام عدم توازن کے تصورات کے مقابلے میں اب خدا آپ کو ایک اپروچ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھیں، ہم نے رستہ ڈھونڈنا ہے اور رستہ بھی ایک ایسے سراب میں سے ڈھونڈنا ہے کہ جس کی انتہا کوئی نہیں ہے۔ ایسے صحرا میں جس میں آگے جانے والے پاؤں کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اس صحرا میں کوئی نخلستان نہیں ہے اور کوئی چشمہ نہیں ہے۔ اس لق ودق صحرا میں ایک غریب الوطن اجڑا ہوا مسافر رستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ پھر آپ اس رستے کے ڈھونڈنے میں کتنے خوف زدہ ہیں۔ کتنے پریشان ہیں۔ ایک ناسٹلجیا اور ایک درد ہے جو آپ کے سینے میں اٹھتا ہے۔ وہ درد کس چیز کا ہوتا ہے؟ کاش میرا کوئی گائیڈ ہوتا۔ کوئی میری رہنمائی کرتا۔ کاش صحرائے تخیل سے مجھے کوئی رستہ دکھا دیتا۔

اللہ کہتا ہے، ضروری تو نہیں، سب کو پیرمل جائے۔ سب کو فقیر مل جائے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر جگہ اللہ کا کوئی بندہ بیٹھا ہوا مشعل راہ دکھا رہا ہو۔ خدا کہتا ہے، میں تو ہوں نا۔ میں جو ہوں اھدنا الصراط المستقیم تم سب لوگوں کا حق ہے کہ مجھ سے صراط مستقیم مانگو۔ کیوں؟ اس لیے کہ تمہیں صراط مستقیم دکھانے والا کوئی نہیں بلکہ "ان ربی علی صراط مستقیم" (ہود: آیت ۵۶) تمہارا رب ہے ہی سیدھے رستے پر اور اس نے سیدھے سیدھے رستے کا تعین کیا۔ اسی نے سیدھے رستے کے نشان منزل بنائے ہیں۔ اسی نے اس میں نخلستان اگائے ہیں۔ یہی آپ کو ایک سے دوسرے پیغمبر تک پہنچا رہا ہے۔ یہی زمانوں کی اقدار کو الٹ پلٹ کر رہا ہے اور ہر زمانے کی بے چینی اور اضطراب اور ہر زمانے کے شکوک کے

مطابق آپ کو پیغمبری دے رہا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی زمانے میں بڑا مسئلہ دیکھتا ہے تو پیغمبری اس مسئلے سے معروضی طور پر متعلق ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس وقت اس زمانے میں نزول فرمائے گا یا جس شخص نے بھی اس زمانے میں ہدایت اور علم کی تعلیم دینی ہے، اس شخص کو اسی مسئلے کے مطابق پیغمبری کے اوصاف عطا ہوئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا "واتبعوا ماتتلوا الشیطین علی ملک سلیمان' وما کفر سلیمان ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر" کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر جو اس زمانے کے لوگ تھے، وہ شیاطین کی مدد سے جادو' تعویز' سحر کے معاملات میں الجھ کر خدا کا انکار کرتے تھے۔

اللہ نے دوبارہ تاکید کر کے کہا کہ " وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت" (البقرۃ :۲-۱۰۲) کہ ہم نے ہاروت و ماروت کو سحر سکھانے کے لیے نہیں بھیجا تھا، بلکہ وہ دراصل لوگوں کے ایمان کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بن گئے تھے۔ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ خدا کے لیے ہماری طرف مت آؤ۔ ہمارا علم مت سیکھو۔ کیونکہ یہ سحر' یہ جادو' یہ تعویذ کاری تمہیں خدا کے اعتبارات سے ناقص کر دے گی اور تم کفر کا ارتکاب کرو گے۔ فرشتے کسی کو بھی سحر سکھانے سے پہلے یہ جملہ تواتر سے بولتے تھے" وما یعلمان من احد حتی یقولآ انما نحن فتنۃ فلا تکفر" (البقرۃ:۲-۱۰۲) اے لوگو! ان تعلیمات کی طرف تعویذوں اور جادو کی طرف نہ جاؤ۔ بے اعتباری کو نہ جاؤ۔ خدا کی حکمت عالیہ میں تصرف کوئی شخص کوئی بندہ نہیں رکھتا۔ جو کوئی بھی شخص ایسی کوشش کرے گا' وہ جھوٹا اور کافر ہو گا۔ اس لیے تم ان چیزوں کی طرف نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کفر کا ارتکاب کر بیٹھو۔

وہ سکھاتے کیا تھے؟ "ویتعلمون منھما مایفرقون بین المرء و زوجہ" شوہر اور بیوی کے درمیان فرق ڈالنا، تعویذوں سے۔ تعویذ حب' تعویذ بغض' تعویذ کار' تعویذ کارکردگی' یہ تمام کے تمام تعویذات اس وقت جادوگر جاری کیا کرتے تھے کہ میاں بیوی میں فرق کیسے ڈالتے ہیں۔ محبتوں میں لوگوں کو قید کیسے کرتے ہیں۔ نفرتیں کیسی اُبھاری جاتی ہیں۔ یہ سب تعویذ کرنے والوں کے کام اور شوق ہوتے ہیں۔ یہ کفر ہے اور خداوند کریم ایک علمی ہدایت اشو کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ تعویذ کا کیا اثر ہے اور تعویذ ماننے اور نہ ماننے کا کیا اثر ہے، تو پروردگار عالم فرماتے ہیں "ویتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم" (البقرۃ:۲-۱۰۲) تم ایسی بات کیوں سیکھتے اور پڑھتے ہو، جس کا فائدہ ہے نہ نقصان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، جو اعتبار کرے گا، اسے نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ جو اعتبار نہ کرے گا اس کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔

یہ تمام وہم اور وسوسہ کے علوم اس زمانے میں اتنے ترقی پذیر تھے۔ خاص کر ہم بنو قدنصر کا زمانہ دیکھتے ہیں کہ وہاں اعلیٰ ترین تعلیمات شمسی اور جدول شمسی بننا شروع ہوا۔ سب سے پہلے اسی زمانے میں سورج گرہن، چاند گرہن کے تواتر کا آغاز ہوا۔ اور یہ جسے آسٹرالوجی کہتے ہیں، جو آسٹرونومی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اسی زمانے میں اسے اتنا بڑا علم کہا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں بڑی کہاوتیں مشہور تھیں۔ مگر اسی زمانے میں حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کو یہ علم شناخت منزل کے لیے عطا ہوا۔ پھر جس کی لائن اس سے مل گئی، وہ تو ٹھیک ہے اور باقی تمام مردود انگل پچو والے اور خراص ہیں۔ خراص کہتے ہیں، جو محض اندازے لگاتے ہیں۔ اسی لیے دوسری حدیث ناطق ہوئی کہ جس شخص نے یہ کہا کہ یہ جو

بارش ہے، کسی سیارے ستارے کی وجہ سے برسی ہے، اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور جس نے یہ کہا کہ بادل ہمارا اللہ برساتا ہے اور اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا ایمان سلامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ستاروں کی پرستش بڑی ہوتی تھی۔ بتوں کے لوگ نام رکھ کر ان کو دیویاں بنا کر دیتے تھے اور ان سب کی خدا کے نام پر پرستش ہوتی تھی۔ شرک اس کو کہتے ہیں، جب اللہ کی مطلق طاقتوں میں کسی کو شریک کر لیا جائے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ کفار مکہ کافر نہیں، مشرک تھے۔ انہوں نے خدا کے معاملات کو بانٹ کر بہت سارے دیوتا پیدا کیے ہوئے تھے۔ جیسے ہبل ہے۔ ہبل کوئی نیا دیوتا نہیں تھا۔ ہبل اپالو کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جو شام اور یونان سے نکلتی ہوئی ادھر آئی اور یہاں آ کے اپالو کے بجائے ہبل ہو گئی۔ اسی طرح یونان کی شہوات کی دیوی وینس ہے، یونان میں آ کے وہ Aphrodite تھی۔ روم میں وہ وینس ہو گئی۔ عرب میں آ کے اشتعار کہلائی۔ اشتعار کی پرستش ملکہ سبا کے ملک میں ہوتی تھی۔ سورج اور اشتعار کا اکٹھا ساتھ ہے۔ اپالو اور ڈیانا' اپالو اور وینس کی پرستش ہوتی تھی۔ سو تمام تر بت پرستی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح منسلک ہے، جس طرح ہمارے ہاں سلسلہ ہائے نسب ہیں۔ جس طرح اولاد آدم اپنے نسب سے منسلک ہے، اسی طرح پتھر پتھر سے اور بت بت سے منسلک ہے۔ یہاں کے، انڈیا کے بت نئے نہیں ہیں۔ اگر آپ ایک اجنبی کو واقعہ میں دیکھیں تو یونان کا کیوپڈ اندھا دیوتا ہے، جو محبت کا دیوتا ہے اور اس کے پاس سونے کی کمان ہے۔ ہندوستان کا جو دیوتا مدن اور منوہر ہے، وہ بھی اسی شکل کا ہے۔ اندھا ہے اور اس کے ہاتھ میں پھولوں کی کمان ہے۔ سو یہ ہو بہو وہ دیوتا ہیں، جو ایک جگہ سے سفر کر کے شوقیہ اگلی طرف چلے گئے۔

اسی طرح جب حمس سے گزرتے ہوئے بنو اسرائیل نے دیکھا کہ لوگوں نے بڑے خوبصورت بت بنا کے چاندی اور سونے کے اپنے مندروں میں سجا رکھے ہیں۔ اس بے وقوف قوم نے، جو آج اپنے آپ کو سب سے سمجھدار سمجھتی ہے، حضرت موسیٰ سے کہا کہ کیوں نہ ہم بھی اپنے خدا کا ایک بت بنا کر اسے قریب سے پوجا کریں۔ چنانچہ یہ رسم ورواج بت پرستی بھی ایک چھوت کے مرض کی طرح ایک سے دوسرے کو لگتی چلی جاتی ہے۔ اس کے سمبل، علامات، تاریخ سازی ایک ہوتی ہے۔ خداوند کریم نے اسی لیے اس میں بڑی تخصیص کی ہے اور سورہ فاتحہ اس اپروچ کو ظاہر کرتی ہے کہ نیکی اور بدی، مدد کا، عبادت کا، ''لامعبود الا اللہ لا مقصود الا اللہ'' اللہ کے سوا زندگی کا کوئی مقصود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مقصود نہیں ہے۔ یہی خدا رب کریم اپنے آپ کو اس معنی میں بالکل اکیلا رکھتا ہے۔

اگرچہ ہمارے پاس اس بات کی شہادت موجود ہے کہ سجدۂ تعظیمی آدم کو فرشتوں نے کیا مگر تعظیمی سجدے اور عبادت کے سجدے میں بہت بڑا فرق ہے۔ تعظیم کے سجدے میں متحرک محبت ہوتی ہے جبکہ عبادت کے سجدے میں اخلاص اور اس میں کسی قسم کے دوسرے الہ کا شریک نہ ہونا ہوتا ہے۔ اسی لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا بنیادی کلمہ جدلیاتی کلمہ ہے۔ یہ سادہ کلمہ نہیں ہے۔ اس میں الا اللہ تک پہنچنے سے پہلے آپ کو لاالہ کہنا پڑتا ہے اور لاالہ کہنے سے پہلے آپ کو کسی بھی غیر خدا کو مسترد کرنا پڑتا ہے۔ بظاہر یہ سادہ سا کلمہ لگتا ہے مگر عمر اس میں غور وخوض کرتے ہوئے بسر ہو جاتی ہے، تب کہیں جا کر خدا سے آپ نکلتے ہیں اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک پہنچتے ہیں۔ مجھے ایک لڑکے نے سوال کیا کہ اللہ کو میں کیسے پاؤں؟ تو میری مجلس سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے انہیں محمد رسول اللہؐ کی وجہ سے پہچانا۔ اس نے آگے سے طنزاً کہا، میں اگر اللہ کو

نہ مانوں گا تو اس کی دی ہوئی رسالت کو کہاں سے مانوں گا۔

تو بنیادی بات یہ ہے کہ آپ اس اللہ پر کتنا اعتبار اور کتنا ایمان رکھتے ہیں؟ آج کل مذہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہوگئی ہے کہ مذہب ایک سر کٹے بدن کی طرح ہے جس میں خدا کی محبت' خلوص' طلب اور اس کی ہم آہنگی کی خواہش قطعاً موجود نہیں ہے۔ صرف لوگ رسم و رواج میں عبادات کو مذہب کا خاصہ سمجھتے ہیں۔ اسی میں ایک گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔ اس سے میتھوڈسٹ Methodist مولوی پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کی مرضی کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جب اس کے دل میں اللہ کا انس نہیں ہوگا تو وہ بندوں کے لیے کہاں سے انس پیدا کرے گا۔ اگر بیم و رجا اور خوف سے اور اس کی دوری کے خیال سے اس کا دل خدا کی محبت میں نہ دھڑکے گا تو وہ لوگوں کو کہاں سے احساس قربت دے گا؟ اس وجہ سے مذہب زبوں حال ہو رہا ہے اور سخت گیر اور انتہائی متعصب لوگ تخلیق ہو رہے ہیں۔ بجائے ان نرم خو، اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل لوگوں کے، جن میں سے ایک شخص بھی کہیں جاتا تھا تو ایک ملک کو اپنے مسلک پر لے آتا تھا۔ آج تک انڈونیشیا اور ماریشس میں کوئی فوج نہیں اتری۔ مگر وہاں مسلمان دیکھ کے ایک دفعہ حیرت تو ہوتی ہے کہ ان کے پاس کون آیا تھا۔ وہ صاحب کردار لوگ، وہ اللہ کو ماننے والے لوگ جدھر بھی گزر گئے، ان کا کلچر ہر کلچر سے اعلیٰ ہو گیا۔ ان کی عادات ہر عادت سے بہتر قرار پائی۔ ان کے مشاغل ہر مشغلے سے بہتر ٹھہرے۔ اس لیے کہ خدا نے ان کو تعلیم کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا تھا۔ "رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ" (البینۃ: آیت ۸) اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے انہیں تعلیم کا اختیار دے رکھا تھا۔ یہ تبلیغ کے بے مقصد اجتماع نہیں تھے۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ صحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھلیتم (الاحکام للآمدی) کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جدھر جائیں گے، لوگ ان سے ہدایت پائیں گے۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین میں انہی لوگوں کے مسلک کی نشاندہی ہے اور اسی کو اللہ نے آگے جاری کیا ہے۔ وہ لوگ اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ عبادت میں کسی غیر کا خلل نہیں آنے دیتے۔ اللہ کہتا ہے کہ وہ لوگ جو مجھ سے اس طرح مدد مانگتے ہیں کہ کسی غیر کو صاحب مدد نہیں سمجھتے، یہ میرے رسول اور یہ میرے اصحاب تھے۔ آخری آیات انہی لوگوں میں تفریق کرتی ہیں۔ دکھا ان لوگوں کا رستہ، "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم" جن پر تو نے انعام کیا، کرم فرمایا۔ جنہوں نے تیرے پیغام کو صحیح سمجھا اور بڑے پیغام کو آگے صحیح پھیلایا۔ جن لوگوں نے راہ راست سے کسی قسم کی ادھر ادھر کی گردش قبول نہیں کی۔ جن کو شیطان اغوا نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں' جن میں صرف عباداتی تسلسل مراد نہیں ہے، ذہنی تسلسل مراد ہے۔ اپروچ کا تسلسل مراد ہے اور نہ کہ ان لوگوں کا رستہ، جو منافقت' بے ایمانی' شرک' کفر' ہر چیز کا شکار ہیں۔

مجھے ابھی جو تھوڑا سا واسطہ لوگوں سے پڑا۔ ان کے معاملات اور ان کی سیاست سے' تو میں بڑی حیرت سے یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو خیر کے عمل کی پہچان ہی ختم ہو گئی ہے۔ یہ ان لوگوں میں نہیں آتے' "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم" رسول اللہؐ کی حدیث مبارک ہے کہ جہنمی وہ نہیں ہے، جو چھوٹے موٹے غلط کاموں میں ملوث ہے بلکہ جہنمی کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ خیر اور شر کے کاموں میں تمیز نہیں کرتا۔

سوالات و جوابات

خدا ایک وہم ہے یا حقیقت؟

سوال: میں محبتِ رسول کو تو تب مانوں کہ خدا کو مانوں۔ آپ کے پاس خدا کے ہونے کی کوئی پختہ دلیل کیا ہے؟

جواب: بڑا معقول سوال ہے کہ میری تمام زندگی اسی سوال کے حل میں گزری ہے اور میں یقین کرنے سے پہلے بے یقین تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں کسی مفروضہ یقین کو اپنا اعتبار نہ دوں۔ میں فطرتاً باغی تھا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں اگر عاقل ہوں، ذہین و فطین ہوں، دانشور ہوں تو کیا اللہ مجھ سے کم ہے۔ اگر میرے پاس انکار کے لیے دلائل موجود ہیں تو کیا خدا کے پاس اپنے اثبات کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یقیناً ہے۔ مگر میرے محترم جنہوں نے یہ سوال کیا کہ علم ایک Continuity ہے۔ اگر آپ یہ سوال کرتے ہوئے اس درجہ علم پہ فائز ہوں، جہاں ایک مقتدی ہوتا ہے تو آپ کو اس سوال کا جواب نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ مل سکتا ہے۔ اگر آپ محقق ہوں، متجسس ہوں، جاننے کی آرزو ہے غور و فکر آپ کا تکیہ ہے تو پھر یقیناً آپ اس دلیل تک ضرور پہنچو گے، جو اللہ نے اپنے لیے عطا کر رکھی ہے۔ مختصراً میں آپ کو جواب دے سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تازہ ترین کتاب مقدمۃ القرآن میں صرف خدا کی دلیل واحد کو جمع کیا ہوا ہے۔ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو خدا پر کسی دلیل کی، مزید گنجائش ہو تو میں پھر حاضر خدمت ہوں گا۔ کیونکہ یہ ایک طویل Chapter ہے، لمبی ریسرچ ہے اور یہ ایک کتاب کی شکل میں ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا مذہب وہم ہے، وسوسہ ہے یا حقیقت۔ کیا مذہب ضرورتِ انسان ہے یا ہمارا Escape، کیا مذہب افیون ہے، ہمیں کارکردگی سے غافل کرتا ہے۔ یا واقعی کوئی خدا ہے کہ نہیں ہے۔ علم کیا ہے اور عالم کون، عقل کیا ہے اور عاقل کون۔ میں آپ سے ایک جنرل سوال پوچھتا ہوں کہ ہماری زندگی کا دارومدار اگر ہماری اسی زندگی کے ستر اسی سال پہ ہوا اور خدا نہ ہوا اور ہمیں یہی ستر سال کی زندگی بسر کرنی ہو تو پھر ہم خدا کو کیوں مانیں؟ اپنی زندگیوں پر پابندی کیوں لگائیں؟ ہم اپنے آپ کو محدود کیوں کریں؟ نیکی کا کوئی تصور، کوئی فلسفی، کوئی دانشور، مجھے یہ بتا دے کہ اگر اللہ نہیں ہے تو میں کسی بھی Cultural Aspect سے دی ہوئی Advice کیوں مانوں، میں Traffic کا کیوں احترام کروں۔ مجھے موقع ملے گا۔ میں بتیاں توڑ کر نکل جاؤں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں شراب پیوں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں کوئی اور خطرناک اور فضول حرکتیں کرتا پھروں گا۔ جب تک میں پکڑا نہیں جاتا۔ یہی میری مرضی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے لیے احتسابی قوت کوئی موجود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کوئی بالائی قوت موجود ہے جو میری نگران ہے، کوئی Alien Master ایسا موجود ہے جو ہمیں ہمہ وقت نگرانی میں رکھے ہوئے ہے، جس کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ وہ زندگی اور موت دیتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ قیامت کا مالک ہے اور جنت اور جہنم بھی تقسیم کرتا ہے، تو پھر مجھے سوچنا پڑتا ہے کہ کیا مفروضہ یا حقیقت ہے جسے آپ خدا

کا نام دیتے ہیں، جو آپ اور میری آزادی کا دشمن بھی ہے مگر میرا پالن ہار بھی ہے جو اس نظام ہستی کو چلا رہا ہے وہی خدا ہے۔ میں عقل کی تمام توانائیاں بھی صرف کر دوں، تب بھی اس کے وجود اس کی گرفت اور اس کی رحمت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے ان داعیان عقل و دانش سے سخت گلا ہے جنہوں نے جانتے بوجھتے انسانی تجسس کے بنیادی سوال کو بھول بھلیوں میں الجھا دیا اسی تناظر سے مجھے Jason فلاسفر نہیں لگے، وٹ کانسٹائن، وائٹ ہیڈ، ہیگل، برگساں اور کانٹ کوئی بڑے کہ انہوں نے جانتے بوجھتے بنیادی سوال کو Diversion میں ڈال دیا ہے یہ ان پگڈنڈیوں پر چل پڑتے ہیں جہاں جا کے انسان کبھی واپس نہیں آسکا۔ خواتین و حضرات رحمٰن اور رحیم اور رحمۃ اللعالمین میں زیادہ جدائی نہیں ہو سکتی۔ رحمت کے جو مظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، یہ زمانہ آخر کی حدیثیں ہیں قیامت کا دن ہے۔ حشر کا سامان ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ماں بچے میں جدائی ہے۔ زندگی ویران' سانسیں چڑھی ہوئی ہیں جیسے کوئی سکرات میں ہو، ہر آدمی عجلت میں ہے مگر وہ اس وقت حضور یزداں میں عرض کر رہے ہیں' بار بار رو رہے ہیں'۔ منت سماجت فرما رہے ہیں۔ "امتی یارب امتی یارب امتی" (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۹) یا اللہ میرے لوگوں کو، میری امت کو عذاب نہ دینا۔ اللہ نے کہا اے محمدؐ جا میں تیری امت کو ضرور بخش دونگا۔ فرمایا پروردگار نے' حدیث قدسی ہے کہ میں نے دیکھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی امت کے لیے بڑے آزردہ خاطر ہیں۔ آپ کو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اب دیکھیے پندرہ سو برس آپ میرا افسوس کرتے ہیں۔ زمانہ آخر کے ایک ایماندار کا آپ افسوس کر رہے ہیں ایک امتی کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسوس فرما رہے ہیں تو فرمایا اللہ نے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ تو اپنی امت کی خاطر بڑا آزردہ خاطر ہے تو میں نے بھی عہد کر لیا ہے کہ تیری طبیعت میں آزردگی چھوڑوں گا نہیں۔ میں تجھے پریشاں نہیں کروں گا۔ میں یقیناً تیری امت پر مکمل مغفرت اور رحم کی نظر کروں گا تو قیامت کے دن حضور گرامی مرتبت اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں، سفارش پر قائم ہیں۔ مقام محمود پر قائم ہیں۔ اذن ملا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، پروردگار عالم وہ وعدہ یاد کر کہ تو نے کہا تھا کہ اے پیغمبر میں تیری امت کی وجہ سے تجھے آزردہ نہیں چھوڑوں گا تو میری امت تو بہت ساری نظر آتی ہے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا اور جو تجھے اپنا لگے اسے نکال لا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کے ساتھ جاتے ہیں اور امت کے بہت سارے لوگ رہائی پاتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوتے ہیں پھر رحمت جوش میں آتی ہے۔ فرمایا اے پروردگار میں دیکھتا ہوں کہ ابھی بھی کچھ میرے لوگ جہنم میں باقی ہیں۔ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا بھی وعدہ ہے کہ اگر نظر آتے ہیں تو نکال لو۔ پھر جاتے ہیں پھر کچھ لوگ لے کر آجاتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی غم' وہی دھڑکا' وہی امت، وہی ہم وہی تم۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق!

سوال: آپ نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ مجھے ساری زندگی لوگ عذاب خدا سے ڈراتے رہے۔ آپ نے آج بڑی عجیب سی باتیں کی ہیں۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے دو گناہوں کا ذکر کیا ہے کہ بڑے گناہوں سے بچو چھوٹے تو کرو گے ہی۔ یہ بڑے اور چھوٹے گناہ کیا ہیں؟

جواب: یہ قرآن حکیم میں لفظ لم سے ظاہر ہے۔ چھوٹے گناہ وہ ہیں جو Temporary, Casual Cursory اور جانے والے ہیں یعنی خطا ہوئی' تو توبہ ہوئی۔ آپ آگے نکل گئے۔ گناہ پیچھے رہ گئے مگر جب آپ Repeat کرتے ہیں اور احساس زیاں بھی جاتا رہتا ہے وہ گناہ بڑے ہیں۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا "والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا لذنو بهم ومن يغفرالذنوب الا الله ولم يصروا على مافعلوا وهم يعلمونO" (آل عمران: آیت ۱۳۵) کسی چیز پر اصرار نہ کرو تو اصرار والے گناہ چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی۔

خدا کے عرفان کے لیے مدت کا تعین!

سوال: آپ نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ خدا کو جاننے کے لیے وقت نکالیں۔ اگر ایک بنیادی ڈگری لینی ہو تو اس میں بھی کم از کم دو سال لگ جاتے ہیں۔ خدا کو جاننے کے لیے کتنا وقت نکالیں؟

جواب: میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ دنیاوی Ph.D کے لیے تو آپ 30 سال وقف کر دیتے ہیں اور اتنی بڑی کائناتی حقیقت کے لیے تین سال بھی نہیں دیتے۔ یہ مجھ پر سوال کرنے کے بجائے اپنے آپ سے سوال کریں کہ ایک دنیاوی روزگار اور ترقی کے لیے آپ تیس سال لگاتے ہیں اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، عزت اور عظمت کے مالک رب کے لیے آپ کبھی ایک سال بھی پورا نہیں نکالتے کہ توجہ سے قرآن ہی پڑھ لیں، حدیث پڑھ لیں اس کے بارے میں تھوڑا بہت جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ یہی وجہ ابتلائے زمانہ کی ہے۔ یہی وجہ زوالِ علم و عرفان کی ہے۔ چلو پچیس سال نہیں کم از کم دو تین سال ہی اگر تم اپنے خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی تفہیم کے لیے وقف کر دو تو انشاء اللہ تعالیٰ العزیز تم فکری طور پر بہتر اور پختہ ہو سکتے ہو۔

وسیلے کی کیا حقیقت ہے؟

سوال: وسیلہ کیا چیز ہے؟

جواب: خواتین حضرات! ایک تو میں نے اس وسیلہ کے موضوع پر پورا لیکچر دیا ہوا ہے اور دوسرا وسیلے کے متعلق لوگوں کے تصورات بہت ہی مختلف ہیں۔ جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے حضور سے غیاب میں رکھا گیا تو تمام کائنات وسیلہ بنی کیونکہ اللہ کی علیحدگی سے پہلے چونکہ سب جنت میں اکٹھے تھے، براہ راست ایک مکاشفہ تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتا تھا، پسند کرتا تھا تو جب اللہ غیاب میں گیا تو اس نے اپنے اور مخلوق کے تعارف کے لیے وسیلہ تخلیق کیا۔ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے قرآنِ حکیم میں کہا کہ میں نے انسانوں کو تخلیق کرنے سے پہلے اس میں قوتیں اور وسائل رکھے کیونکہ انسان ان کے بغیر مادی زندگی نہیں گزار سکتا تھا علاوہ ازیں اللہ نے انسان کے لیے جب سے اپنی تعلیم اور رشد و ہدایت کے سلسلے کو قائم کرنا شروع کیا تو اس نے پیغمبر کے وجود مسعود کو بحیثیت وسیلہ بنایا تھا تاکہ یہ اللہ کی تعلیم کے وسائل بن جائیں اور لوگ ان کے ذریعے مجھ تک پہنچیں۔ اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور میری بخشش طلب کریں تو تُو بھی ان کی بخشش کی دعا مانگے تو ہم معاف کرنے والے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ جب تمام Institutions تخلیق کیے گئے تو ان میں سے ہر Institution کی سربراہی کسی نہ کسی کے حوالے کی گئی تو اس کا داروغہ مقرر ہوا۔ جنت تخلیق کی گئی تو رضوان کو اس کا حاکم مقرر کیا گیا۔عرش Create ہوا تو اس کے لیے آٹھ فرشتے مقرر کیے گئے۔ جہاں بھی کوئی آسمانی Institution قائم ہوا تو کسی نہ کسی کو اس کی نگرانی عطا کی گئی انہیں سربراہی اور حکومت بخشی ۔موت پر ملک الموت عزرائیل کو مقرر کیا گیا۔ Message پر جبریل امین کو مقرر کیا گیا ۔رزق پر میکائیل کو مقرر کیا گیا ۔اور قیامت کے دن صور پھونکنے کے لیے اسرافیل کو مقرر کیا گیا ۔اسی طرح خواتین وحضرات جب زمین وآسمان میں رحمت کا Institution قائم ہوا تو رحمت کی سربراہی رحمۃ العالمین کے سپرد کی گئی۔ رحمۃ العالمین کا Institution جب Further تقسیم کیا گیا تو اس میں تین Institution پیدا ہوئے: مقامِ شفاعت، مقامِ وسیلہ اور مقامِ محمود اور یہ تینوں کے تینوں ادارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے۔ بخاری کی حدیث ہے اور یہ حدیث بالکل واضح ہے، اس میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا گیا فرمایا اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں ۔اب ایک معمولی سی عقل کی بات ہے اللہ عطا کرنے والا تو آپ کے سامنے ہی نہیں ہے۔کہاں سے لینا ہے۔ یہ تو اس نے کہہ دیا کہ دوں گا ۔مگر کہاں سے لوگے جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتے، جب تک ان سے عرض نہیں کرتے ہو، جب تک ان کو وسیلہ نہیں بناؤ گے۔ آپ کو تو اس Institution کا پتا ہی نہیں لگے گا۔ میں امریکہ میں گھوم رہا تھا اور بڑی کوشش کر رہا تھا کہ پتا کروں کہ دفتر کہاں ہے۔ ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر تک جانے میں بہت مشکل تھی ۔لیکن متعلقہ سے ہوتا ہوا میں آخر کار مطلوبہ سیکٹر یا اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا تھا ۔اسی طرح ہمیں Institution کے Sub Institution کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک مرکز کو جانے والے تمام متعلقہ راستوں کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک منزل مقصود تک پہنچنا محال ہوتا ہے۔اسی حوالے سے حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کا ایک فرد بنو کلب کے بھیڑوں کے بالوں کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا اور اصحابِ رسول نے فرمایا کہ ان سے مراد حضرت اویس قرنی کی شخصیت تھی اب میں اپنی بات اس بات پر ختم کردوں گا کہ ہم اللہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کائنات کیوں بنائی کیا کائنات کھیل کود کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔اللہ فرماتا ہے کہ میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔اور یہ مت کہو کہ دنیا میں نے غلط نہیں بنائی ہے۔اب پتا یہ چلا کہ مقصد کائنات صرف تخلیق کائنات نہیں تھا۔مقصد یعنی تخلیق کائنات کچھ اور تھا۔اصول یہ بنا کہ اللہ کے خیال میں آیا کہ میں مخلوق تخلیق کروں کیونکہ اللہ تنہا تھا لہٰذا اللہ نے اپنی پہچان اور تعارف کے لیے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ جب مخلوق کو تعارف کے لیے پیدا کرنے کا خیال آیا تو پھر ان کے ٹھہرنے کی جگہ کا خیال آیا تو زمین بنی، جب زمین بننے کا خیال آیا تو اس کے ماحول کا خیال آیا، پھر اس Constellation کو ترتیب دینے کا خیال آیا جو زمین کو Support بھی دے گی اور زندگی اس کی معاونت کرے گی۔ یہ دو کام ہو گئے تو خیال تھا کہ تخلیقِ کائنات ختم ہو جائے گی۔ بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا کیونکہ آپ سورج کو بھی دیکھ لو سورج بھی تو خلا میں اسی طرح لٹک رہا ہے جیسے زمین تھی تو زمین کو کششِ ثقل کے دائروں سے Constellation میں قید کر لیا اور بڑی مضبوطی سے تھام لیا مگر اس

Constellation کو تھامنے کے لیے Upper Galaxies کا نظام قائم کیا حتیٰ کہ سورج بائیس کروڑ سال پہلے Upper Glaxies کو قطع کرتا ہے Solar Apex کہلایا۔ پھر جب اس Galaxy کو بنایا ہوگا تو یقیناً اس کے چھوٹے چھوٹے Balance کرتے ہوئے پوری کائنات تخلیق ہوتی گئی اگر بنیادی طور پر دیکھا جائے تو زمین کی مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ساری مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ اس لیے اللہ اپنی مخلوق کو خود ہی غیر معمولی اوصاف عطا کرتا ہے۔ جس کو خدا سے زیادہ آگاہی اور زیادہ محبت ہوگی اللہ اس کو اپنی فیاضیوں اور عنایتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ پھر اللہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ دیکھو میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ میری تعریف کا حق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کو ہے تو پھر آپ دیکھیے کہ دنیا میں اللہ نے کہا کہ چونکہ احمد نے میری آسمانوں پہ صحیح حق تعریف ادا کیا تو صلے میں، میں نے مخلوق کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پہ آمادہ کیا۔ جب تعریف پہ آمادہ کیا تو آئینے کے اس رنگ کو اجاگر کرنے کے لیے میں نے زنگ بھی پیدا کیا اور اس کی مخالفت میں کفر بھی پیدا کیا۔ اندھیرے بھی پیدا کیے، ابوجہل بھی پیدا کیے اور میں نے رسالت کے مقام کو اور Maximum جیسے Contrast، Coatradiction اور مفاہمتوں سے اس کو سنوارا اور پوری کائنات کا مقصد اگر Literally، Mentally، اور Factually دیکھا جائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی کیا ممکنہ تعریف ہوسکتی ہے۔ نہ میں Romantic ہوں، مگر لگتا ہے کہ اس پوری کائنات کی تخلیق میں اللہ کا وجود ہے اور ربِ کعبہ کی قسم ہے کہ جب سے کائنات اور اس کی تمام متعلقات تخلیق ہوئی ہیں، کوئی چیز بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔ کسی نبی کی کتاب آپ اٹھا کر دیکھ لیں صحائفِ عیسیٰؑ، موسیٰ اٹھا کے دیکھ لیں نغمہ ہائے سلیمان اٹھا کے دیکھ لیں، نغماتِ داؤد اٹھا کے دیکھ لیں صحائفِ شش دیکھ لیں اور ساری مخلوق کا ذکر دیکھ لیں۔ کسی نبی نے خدائے واحد کا اس طرح ذکر نہیں کیا۔ اس کی اہمیت اس طرح اجاگر نہیں کی اور اسے اپنا بھرپور خلوص اور نیاز نہیں بخشا جیسا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے پیش کیا۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے عمرانی حقیقت ہے اور یہ اسلامی حقیقت ہے بلکہ ابھی آپ کے پاس وہ سارے ذخائر موجود ہیں۔ اگر اللہ ہے تو اللہ یقیناً ہے۔ تو وہ اپنے بندے سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ سے زیادہ کسی پہ مہربان نہیں ہوسکتا اور یقیناً اس کی مہربانی کے توسط سے ہمارے نصیب بھی جاگ سکتے ہیں کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے ناتے سے ہمیں ایک بات کا فخر ضرور حاصل ہے کہ ہمارا رسول وہ رسول ہے جسے اپنے سے زیادہ اپنی امت کی فکر ہے۔ جسے اپنے سے زیادہ اپنے لوگوں کا غم تھا۔ ایسا پیغمبر بھی زمانے میں نہیں گزرا پیغمبر حالانکہ عیسیٰؑ الصلوٰۃ والسلام نے کہا۔ موسیٰؑ نے کہا۔ اس نے بہت انہیں سمجھایا یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ "اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین ○" (البقرۃ: آیت ۶۷) ان جاہلین کی ان افعال سے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ نے کہا یا اللہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب تک میں زندہ تھا جو تو نے پیغام دیا میں نے ان تک پہنچا دیا۔ اب میں ان میں نہیں ہوں اب میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے اپنی امت سے کبھی واسطہ نہیں توڑا بلکہ جب ایک مرتبہ بخشش کے لیے گئے اور امت رہا ہوئی۔ دوسری مرتبہ گئے اور امت رہا ہوئی۔ تیسری مرتبہ گئے تو امت کو رہائی نصیب ہوئی تو چوتھی مرتبہ پھر گئے اور کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے تو میری ساری امت

کی رہائی کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں تو اب بھی اپنے کچھ اُمتی جہنم میں دیکھتا ہوں اور اللہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے جو تجھ سے وعدہ کیا پورا کیا اب یہ تیرے اُمتی نہیں ہیں۔ اب جہنم میں صرف وہی لوگ باقی ہیں جنہیں کتاب نے روک رکھا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے مجھے سرے سے رب تسلیم ہی نہیں کیا اگرچہ ان کے نام مسلمانوں والے تھے مگر انہوں نے کبھی خدا کو خدا نہیں مانا اور تجھے رسول نہیں مانا۔ اب صرف وہ لوگ جہنم میں باقی ہیں جنہیں کتاب نے علیحدہ رکھا ہے۔

USMAN BOOK COLLECTION
Contact # 0345-7019792